ڈاکٹر سلیمان
ریسرچ سکالر پوسٹ ڈاکٹریٹ اردو
عبدالعزیز

# بدھ مت، غالب اور تصور ہست و نیست

## (Buddhism and Ghalib's Concept of Being & Nonbeing)

**Abstract**

The popularity and influence of Gautama Buddha's thoughts and philosophy are not limited only to his followers but have also reached various fields of knowledge, including creative artists and philosophers who draw inspiration from them. A significant example of this can be found in Urdu literature, particularly in the work of classic poet Mirza Asadullah Khan Ghalib.

Ghalib was nurtured in a society where the roots of society were connected to Hinduism, Buddhism, Jainism, Islam, and Sikhism. As a sensitive poet, he was influenced by the fundamental intellectual concepts of that society. The purpose of this proposed research is not solely to prove Ghalib as a follower of Buddhism, but to prove that Ghalib's era existed in the presence of those intellectual concepts and that he did not show any inclination to disregard them.

This research merely focusses on conducting a hermeneutical analysis on the concepts of being and non-being in the works of Ghalib and Buddha.

Gautama Buddha and Ghalib, both perceive existence and nonexistence in terms of dependent origination. In their view, anything that has existence is material, and matter is inherently impermanent and transient. The absence of nonexistence is necessary for existence. They both question the true nature of external entities.Ghalib and Gautama Buddha both adhere to the perpetual cycle of existence and nonexistence.

Both Ghalib and Gautama Buddha are fully acquainted with philosophical theories such as being in the world, Being for Itself, Being in Itself, Emptiness, Nothingness, Pure Being, and Nihilism.

**Key Word:** Buddhism, Gautama Buddha, Hinduism, Jainism, Islam, Sikhism, Hermeneutics, Being, Non-being, Agnosticism, Ontology, Emptiness, Nihilism

ہندوستانی فلسفہ (Indian Philosophy) ایک وسیع علمی و فکری اصطلاح ہے جو انسانی ذہن کے عظیم نظریات اور بڑے بڑے مابعد الطبیعیاتی تصورات پر محیط ہے۔ اس کی بنیاد قیاس آرائی اور دانشورانہ ذہنی ادراک کی بجائے عین حقیقت سے انسلاک پر استوار ہے۔ صداقت کیا ہے؟ صداقت اور اس کی ماہیت کے بارے میں ہر دور کے انسان نے کوشش کی ہے اور ہندوستانی فلسفے کی شروعات بھی صداقت کی تلاش سے ہوتی ہے۔(۱) صداقت کے لیے ہندی فکر کے زیر اثر اس تلاش میں دو اصول ہمیشہ سے کارفرما رہے ہیں۔ ایک موکش یا نجات کی جستجو اور دوسرا اس کو حاصل کرنے کے لیے مجوزہ دستور العمل (۲)۔ نظریاتی لحاظ سے ہندوستانی فلسفہ دو مختلف مکاتب فکر میں تقسیم ہے:

۱۔ **استک مکتبہ فکر** (Orthodox School of Thought)

۲۔ **ناستک مکتبہ فکر** (Heterodox School of Thought)

استک مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ویدوں کو علم اور سچائی کا بنیادی ماخذ تسلیم کرتے ہیں جبکہ ناستک مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ویدوں کی اتھارٹی کو چیلنج کرتے ہیں۔ اس نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر ہندوستانی فلسفے میں مزید نو (نو) مکاتب فکر تشکیل پاتے ہیں:

استک: (۱) سانکھیہ (۲) یوگا (۳) نیایا (۴) ویشی شیکا (۵) میماسا

(۶) ویدانتا

**سانکھیہ:** یہ استک اسکول کا سب سے قدیم فرقہ ہے۔ اس فرقے کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ پرکرتی اور پرماتما کی اصل ایک ہے۔ وجود، روح اور شعور کا تعلق پرکرتی سے ہے۔

**یوگا:** اس فرقے سے تعلق رکھنے والے ذہن، جسم اور حواس کے ذریعے دائمی نجات حاصل کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے حامی ارواح کی تکثیریت یعنی پرش کے قائل ہیں۔

**نیایا:** اس فرقے کے پیروکاروں کا نظریہ ہے کہ کوئی بھی چیز عقلی تجربے کے بغیر قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ صداقت کے حصول کے لیے ان چار اصولوں پر یقین لازمی ہے:

(۱)ادراک (۲)قیاس (۳)تقابل (۴)شہادت

**میماسا:** اس مکتبہ فکر کے حامیوں کا عقیدہ ہے کہ وید تمام ابدی علوم کا سرچشمہ ہے۔ مذہب ویدوں کی تعلیمات کو عملی شکل میں تسلیم کرنے کا نام ہے۔ ویدوں کی اصل روح ہی دھرم ہے۔

**ویدانتا:** اس مکتبہ فکر کے پیروکار اپنشد (Upanishads) کی فلسفیانہ تعلیمات کو روحانیت کا واحد ذریعہ مانتے ہیں۔ منتروں کی بہ نسبت براہمنوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

**ناستک:** (۱)جین مت (۲)چارواک (۳)بدھ مت

### جین مت(Jainism):

جین مت کا شمار دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں ہوتا ہے۔اس مذہب کا بانی وردھمان مہاویر (۵۹۹۔۵۲۷ق م) ہے۔ جین مت والے تیر تھنکر پر یقین رکھتے ہیں۔اس کے دو بڑے فرقے شویتامبر اور دگمبر ہے۔ جین مت والے ویدوں پر یقین نہیں رکھتے۔ عدم تشدد کے فلسفے کے حامی ہوتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ موکش کا انحصار انسان کے عمل پر ہے۔ جین مت کی روایت کے مطابق تیر تھنکر وہ عظیم لوگ ہیں جنھوں نے اپنی ریاضت کے ذریعے نجات حاصل کی ہے۔ان کی تعداد چوبیس(۲۴) ہے اور مہاویر آخری تیر تھنکر تھا۔(۳)

### چارواک(Charvaka):

یہ فرقہ مادیت پسندی، دہریت اور تشکیک(Scepticism) پر یقین رکھتا ہے۔اس کے حامی اس مادی کائنات کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک حتمی خوشی انسانی زندگی کا واحد مقصد ہے۔ کرما اور حیات بعد الموت سے انکاری ہیں۔ یہ فرقہ عقلیت اور مذہبی رسوم و رواج سے آزادی کے لیے بھی مشہور ہے۔

**بدھ مت(Buddhism):**

بدھ مت کی اصطلاح عام طور پر ان مختلف فلسفیانہ، اخلاقی اور مذہبی مباحث کے لیے استعمال ہوتی ہے جن کی بنیاد سدھارتھ المعروف مہاتما بدھ (۶۲۳ ق م۔ ۵۶۳ ق م) کی تعلیمات پر استوار ہے۔ اس کا اصل نام سدھارتھا اور وہ 'گوتم' یا 'گاوتم' کے قدیم خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بدھ کا لقب جس کے معنی ہیں: 'جاگا ہوا' اس کے نام کے ساتھ گیان کے نشان کے طور پر بعد میں شامل کیا گیا تھا۔ اس گیان کو حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو گیا تھا اور فی الحقیقت زندگی کے خواب سے جاگ گیا تھا۔(۴) انسانی حیات کے تکالیف یعنی روگ، ضعف، بڑھاپہ اور موت پر فتح پانے کے لیے دنیا چھوڑ کر تیاگ بن گیا تھا اور پھر پھلگو ندی کے کنارے بدھ گیا میں پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ کر تپسیا کرتے اسے روشنی مل گئی تھی۔(۵) بدھ مت کو دانائی اور حکمت کا مذہب مانا جاتا ہے۔ کیوں کہ مہاتما بدھ کی زیادہ تر تعلیمات میں عقل و حکمت کو اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے نظریات عقلی نظام پر استوار ہیں۔ وہ مافوق الفطرت عقائد و نظریات کے بر عکس فطری قوانین کا حامی تھا۔ اس حوالے سے رمیش چوپڑا لکھتے ہیں:

> "In its Philosophical teachings, buddhism seeks the libration of the individual from the suffering inherent in life. The basic doctrines include the four noble truths taught by the Buddha: Existence is suffering, called nirvana or total transcendence"(6)
>
> (فلسفیانہ تناظر میں بدھ مت دراصل اس بات کی تلاش کا نام ہے کہ فرد کی زندگی کی سرشت میں موجود دکھ سے کیسے نجات ممکن ہے؟ اس حوالے سے مہاتما بدھ اپنے بنیادی نظریے جس کی بنیاد چار عظیم سچائیوں پر استوار ہے، کی تلقین کرتا ہے۔ اس کے مطابق موجود ہونا سب سے بڑا دکھ ہے اور وجودی اذیت سے چھٹکارے کا واحد ذریعہ نروانہ یعنی نیستی ہے۔)

مہاتما بدھ کی وفات کے سو سال بعد یعنی ۳۸۳ ق م میں اس کے پیروکار درج ذیل دو گرہوں میں بٹ گئے:

۱۔ **ہنایان** (Hinayana)

۲۔ **مہایان** (Mehayana)

**ہنایان:** قدیم بدھ مذہب کے ماننے والے ہیں۔ اس فرقے نے انسانوں کو دو بنیادی گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ بھکشو یعنی مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اور اپاسک یعنی دنیادار لوگ۔ اس فرقے کا نظریہ ہے کہ مہاتما بدھ

نے خدا کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔ چناں چہ ہمیں اس کے وجود وعدم سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ فرقہ وجود کی نفی اور مراقبے کے ذریعے انفرادی نروان حاصل کرنے کا حامی ہے۔

**مہایان:** یہ بدھ مت کا ترقی پسند فرقہ ہے۔ اس فرقے کے لوگ مہاتما بدھ کی پوجا کرتے ہیں۔ اس گروہ کے حامی نظریاتی طور پر لاادریت (Agnosticism) کے قائل ہیں اور انفرادی نجات کی بجائے اجتماعی نجات پر یقن رکھتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے بنیادی نظریاتی اختلاف کے بارے میں ڈاکٹر محمد حفیظ سید لکھتے ہیں:

> "ہنایان تو اس قدیم بدھ کے ماننے والے ہیں جو لنکا اور برما میں پائے جاتے ہیں اور روح کے قائل نہیں۔ خدا کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ بدھ نے کچھ نہیں کہا اور ہمیں اس کے وجود وعدم سے کوئی سروکار نہیں۔ ماہیان بدھ ستو پر یقین رکھتے ہیں۔ بدھ کو مافوق الانسان شخصیت سمجھتے ہیں۔ مختلف خداؤں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔"(۷)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مہاتما بدھ نے اپنے پیچھے کوئی تحریری ضابطہ نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے اپنے پیروکاروں سے کہا تھا کہ سیکھو جو کچھ تمھیں کہا گیا ہے اور اسے مضبوطی سے پکڑ کر دل میں بٹھالو۔ اس کے زمانے میں لکھنے کا رواج بہت کم تھا اور ایک عرصے تک اس کی تعلیمات سینہ بہ سینہ محفوظ ہوتی رہیں۔ اس کی وفات کے تقریباً تین سو سال بعد یعنی ۲۵۲ ق م میں اشوک (۲۶۸ ق م۔ ۲۳۲ ق م) حکمران کے عہد میں مہاتما بدھ کے ملفوظات پالی زبان میں تحریری شکل میں سامنے آئے تھے۔ اس حوالے سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ بدھی تعلیمات پہلی بار لنکا کے راجا وٹاگامی (۸۸ ق م) کے حکم سے تحریری صورت میں آئی تھیں۔ مہاراجہ اشوک کے بعد اس کے بیٹے مہند (Mahand) نے بھکشوؤں کو سری لنکا اور دیگر ایشیائی ممالک روانہ کیا تاکہ وہ مہاتما بدھ کے افکار کی ترویج کی کوشش کر سکے۔ بدھ مت کی تعلیمات کا تحریری مجموعہ "دھمپد" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ لفظ پالی زبان کے دو الفاظ 'دھم' اور 'پد' سے مل کر بنا ہے۔ 'دھم' کا معنی ہے مذہب اور 'پد' کے معنی بولی یا فرمان کے ہیں۔ دھمپد کا ترجمہ مذہبی فرمان یا فرامین کیا جاتا ہے۔ دھمپد چالیس ابواب اور چار سو تیس (۴۳۰) اقوال پر مشتمل بدھ مت کا مذہبی سرمایہ ہے۔(۸) مذکورہ مذہبی کتاب تری پٹک یعنی تین ٹوکریاں کے نام سے بھی موسوم ہے۔ جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ ونیا پتاکا: یہ ان عقائد وضوابط کا مجموعہ ہے جو بھکشوؤں (سنگھ) کی تربیت کے لیے ضروری ہے۔

۲۔ستاپتاکا: یہ مہاتمابدھ کی اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے مواعظ کا مجموعہ ہے۔

۳۔ابھیدماپتاکا: یہ بدھی فکر و فلسفہ کا مجموعہ ہے۔

مہاتمابدھ کے نظریات اور تعلیمات کی توجیہات کا سلسلہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلسل جاری رہا۔ چناں چہ ان توجیہات کے نتیجے میں بدھی فکر و فلسفہ مزید چار مکاتب فکر میں تقسیم ہو گیا:

**۱۔ عدمیت پسند مکتبہ فکر(School of Nihilism)**

اس مکتبہ فکر کا بنیادی عقیدہ ہے کہ وجود کا ذہنی و مادی اعتبار سے ادراک اور موجود ہونے کا اقرار ممکن ہی نہیں ہے۔

**۲۔ موضوعی عینیت پسند مکتبہ فکر:(School of Subjective Idealism)**

اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے بدھی مفکرین اس نظریے کے قائل ہیں کہ ذہنی اور مادی وجود حقیقی ہیں۔ آزادانہ طور پر فطرت ذہن کا حصہ ہے۔ مادی دنیا کو براہ راست ذہنی ادراک سے سمجھا جا سکتا ہے۔ تصورات باطل ہیں اور ان کا ذہنی ادراک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

**۳۔ تنقیدی حقیقت پسند مکتبہ فکر: (School of Critical Realism)**

اس مکتبہ فکر کا عقیدہ ہے کہ وجود و عدم کو نہ باطل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ان کا حتمی اقرار ممکن ہے۔

**۴۔ بالواسطہ حقیقت پسند مکتبہ فکر:(School of Direct Realism)**

اس مکتبہ فکر کے حامی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خارجی مظاہر میں موجود ہر شے وجود کا حامل ہے اس لیے موجود ہے۔ ہر وجود کی ساخت کو اس کی ماہیت کے پیش نظر سمجھنا چاہیے۔

واضح رہے کہ مہاتمابدھ ہندوستان میں اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب مذہب اور دیومالائی بیانات دنیا بھر میں بحث کا موضوع بن چکے تھے۔ یونان میں فیثا غورثؒ (۵۷۰ق م۔۴۹۵ق م) چین میں لاوزی (٦ق م) اور کنفیوشس (۵۵۱ق م) جیسے دانشور اخلاقیات کو مذہب سے جدا کر رہے تھے۔ ہندوستان میں ویدوں کی اتھارٹی قائم تھی۔ سدھارتھ المعروف گوتم پہلا فرد تھا جس نے ویدوں کی اتھارٹی کو اپنے فلسفیانہ استدلال سے چیلنج

کر دیا تھا۔(۹) بدھ مت کی تعلیمات پہلی صدی عیسوی میں چین تک پہنچ گئیں اور اس کے بعد تاجروں، سیاحوں اور بھکشوں کی مدد سے یورپ میں پھیل گئیں۔(۱۰)

## تصور ہست و نیست(Concept of Being & Non-Being)

لغوی اعتبار سے 'ہست' کا معنی موجود ہونا ہے جبکہ 'نیست' کا لفظ معدوم یا نابود کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ہست و نیست(Being & Non-Being) کی اصطلاح کا مطلب ہے: وجود و عدم(۱۱) ہست و نیست یا وجود و عدم ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے جو درج ذیل مفاہیم پر معنوی لحاظ سے دلالت کرتی ہے۔

۱۔ ہر وہ شے جو حامل وجود ہونے کے ساتھ ساتھ موجود بھی ہو۔

۲۔ حامل وجود اشیا کی وجودی حقیقت۔

۳۔ کسی بھی شے کی عدم موجودگی۔

۴۔ حامل وجود اشیا کی عدم وجودی حقیقت۔

ہست و نیست کی اصطلاح درج ذیل مترادفات کے حوالے سے بھی سمجھی جاسکتی ہے:

(۱) موجود۔ لاموجود (۲) وجود۔ غیر وجود (۳) دوام۔ غیر دوام (۴) فنا۔ بقا (۵) شے۔ لاشے

لفظ 'نیست' کی اپنی ایک الگ حقیقت ہے۔ جس کا معنوی اطلاق ہم دو طرح سے کر سکتے ہیں یعنی نیست فی نفسہ اور نیست فی الذہن۔ 'ہست' کے ذہنی تصور کو مفہوم وجود سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وجود فی الذہن کو عینی شے سمجھا جاتا ہے۔(۱۲) فلسفہ ہست و نیست یا وجود و عدم کے بنیادی مباحث کا براہ راست تعلق علم فلسفہ کی ایک شاخ وجودیات(Ontology) سے ہے۔ وجودیات کے فلسفے کا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ تمام موجود اشیا کا وجود ایک نوع سے تعلق رکھتا ہے یا ان کی ساخت اور صفت ناقابل تحویل حد تک مختلف ہے۔ واضح رہے کہ خارج میں نظر آنے والی چیزیں وجود کی مختلف شکلیں ہیں اور وجود سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں ہیں۔ خارج میں ہونا ہست کی ذات میں شامل ہے۔ جو چیزیں ہمارے ذہن میں آتی ہیں وہ ماہیت کی شکل میں ہوتی ہیں۔ وجود متشخص ہوتا ہے جبکہ وجود کی ماہیت ذہنی ہوتی ہے۔ فلسفیانہ تناظر میں ہست یا وجود کے دو روپ ہیں: یعنی شعور اور مادہ۔ شعور کا مطلب ہے Being for Itself جبکہ مادے کا وجود اپنے آپ میں Being in Itself ہے۔(۱۳) نیست وجود کی منفیت کے تصور پر معنوی لحاظ سے دلالت کرتی ہے لیکن وجود بالذات ہست و نیست دونوں

صورتوں کا مجموعہ ہے اور یوں اس کا مطلب ہے کسی شے کی مادی صورت میں وقت کے ساتھ موجودگی یا عدم موجودگی۔(۱۴)اصل چیز عدم وجود یعنی Non-Being ہے جبکہ اس کا خیال یا تصور وجود یا Being ہے۔(۱۵)وجود علامت ہستی ہے اور اس کا عدم مظہر نیستی۔

فلسفہ ہست و نیست یا وجود و عدم کی فکری مباحث کا آغاز یونانی کے ایلیائی مکتبہ فکر (Eleatic School of Thought) سے تعلق رکھنے والے فلسفی پارمینڈیز (Parmenides)(۵ ق م۔ وفات) سے ہوا تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ ہمیں معروض میں جتنی بھی منتشر یا مجتمع اشیا نظر آتی ہیں وہ وجود کی مختلف صورتیں ہیں۔ وجود سے ماورا یا ہٹ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف وجود ہی ہے جسے ہم حقیقت مان سکتے ہیں۔ وجود و عدم کی کشمکش افلاطون (۴۲۸ ق م۔ ۳۴۸ ق م) کے زمانے میں بھی جاری رہی۔ اس نے مظاہر کے وجود کو سایہ کہہ کر ماورائی وجود کی حمایت کی۔ ارسطو (۳۸۴ ق م۔ ۳۲۲ ق م) نے وجود و عدم کے تصور کو مظاہر مادی کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔ سترہویں صدی میں لیبنز (Leibniz)۔(۱۶۴۶۔۱۷۱۶ء)وجود کے مسئلے کے حوالے سے اس دعویٰ کے ساتھ سامنے آیا کہ وجود دراصل عدم وجود کی توسیع ہے۔ انیسویں صدی کے جرمن عینیت پسند فلاسفہ کا وجود و عدم کے حوالے سے یہ نظریہ رہا کہ وجود وہ ہے جو موجود ہو اور عدم وجود، وجود کا منفی رخ ہے۔ مغرب کے مادیت پسند فلاسفہ نے وجود و عدم کے بارے میں یہ نظریہ اپنایا کہ وجود کا تعلق مادی مظاہر سے ہے جبکہ عدم وجود، وجود کی منفیت کا ایک رخ ہے۔ فرانسیسی فلاسفر ژاں پال سارتر (۱۹۰۵ء۔ ۱۹۸۰ء) کی نظر میں وجود داخلی اور انفرادی ہونے کی بجائے خالصتاً معروضی شے ہے۔ وجود فی الذات اور وجود بالغیر دونوں پہلوؤں سے وجود کا تصور تشکیل پاتا ہے۔ وجود کے مقابلے میں عدم وجود شعور کی منفیت کا نام ہے۔ عدم کے بارے میں ہماری علمیت خاصی محدود ہے، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وجود ہی بنیادی حقیقت اور جوہر پر مقدم ہے۔ دور جدید میں مارٹن ہائیڈیگر (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۷۶ء) نے فلسفہ وجود و عدم کے حوالے سے یہ نظریہ پیش کیا کہ ہر وجود، عدم کے ساتھ فطری طور پر جڑا ہے۔ اس کے مطابق موجود ہونا وقت ہے اور وقت ایک محدود شے ہے جس کے اختتام پر موجود کے عدم ہونے کا آغاز ہوتا ہے۔ وجود کے لیے داخلیت اور خارجیت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ وجود کا اس معروضی مادی کائنات سے تعلق لازمی ہے کیونکہ وجود قائم بالغیر شے ہے۔ زمانی اعتبار سے دنیا میں موجود ہونا دراصل احساس وجود ہے اور کائنات میں غیر وجودی حالت احساس عدم ہے۔

مشرقی فلسفے کی تاریخ میں ہست و نیست یا وجود و عدم کے بنیادی مباحث کے حوالے سے محی الدین ابن عربی (۱۱۶۵ء۔ ۱۲۴۰ء) اور ملا صدرا (۱۵۷۱ء۔ ۱۶۳۵ء) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ابن عربی نے واجب

الوجود ہستی کو حتمی مان کر باقی مادی مظاہر کو نیست سے تعبیر کیا۔ ملا صدرا نے اصالت وجود اور تشکیک وجود جیسے فلسفیانہ موضوعات پر استدلالی انداز سے بحث کی ہے۔اس کے نزدیک وجود، امکان اور امتناع یہ تینوں ایسے امور ہیں جو انسانی شعور میں ودیعت شدہ تصورات ہیں۔اس کے مطابق وجود کے بارے میں تصور کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہیے۔ایک حصہ وہ جس سے حقیقت وجود مراد ہو اور دوسرا حصہ وہ جس سے وجود کے متعلق شعور کے وہبی مقولات(A Priori Categories)مراد ہوں۔(۱۶)اس کے مطابق وجوب اور امکان وجود کے مختلف احوال ہیں اور وجود ایک خارجی حقیقت ہے۔تصور ہست و نیست کے حوالے سے درج بالا نظریاتی مباحث کے پیش نظر وجود و عدم کی تفہیم و تعبیر کے درج ذیل پہلو تشکیل پاتے ہیں، جو مہاتما بدھ اور مرزا غالبؔ کے تصور ہست و نیست کی مختلف جہات ہیں:

(۱) وجود فی نفسہ(بذات خود وجود کی حقیقت)

(۲) وجود لنفسہ(دوسروں کی نظر میں وجود کی حقیقت)

(۳) وجود بالشعور(وجود کی شعوری حقیقت)

(۴) خلا(Emptiness)

(۵) اصالت وجود(ادراک وجود و ماہیت وجود)

(۶) تشکیک وجود(وجود کی صداقت کا ادراک)

(۷) ممکن الوجود(جس کے لیے وجود و عدم دونوں کا تعلق ضروری ہو)

(۸) ممتنع الوجود(وجود کے لیے خارج میں ہونے کے امکان کا قضیہ)

(۹) واجب الوجود(بذات خود موجود اور قدیم جس کے وجود کا انحصار کسی غیر کے وجود پر نہ ہو)

(۱۰) ماہیت وجود(وجود و عدم کے نقیض اور محال ہونے کا ادراک)

(۱۱) عدم وجود(وجود کی معدومیت)

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ(۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء)کا شمار دنیا کے بڑے کلاسیکی شعرا میں ہوتا ہے۔ان کی شاعری میں مذہب، تصوف، اخلاقیات، سماجیات اور تاریخی شعور کی بھرپور عکاسی موجود ہے۔انھوں نے فلسفیانہ موضوعات اور شعر کی یکجائی سے ایک ایسی روایت کی بنیاد ڈالی جسے بعد میں اقبال(۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء)نے معراج کمال تک پہنچا دیا۔انھوں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی نیز جس سماج میں پرورش پائی تھی اس ماحول اور سماج کی جڑیں ہندو مت، بدھ مت، جین مت، اسلام اور سکھ مت میں پیوست تھیں۔ایک فطین شاعر کی حیثیت سے وہ اس

ماحول اور سماج سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ شعوری اور لاشعوری دونوں حوالوں سے ان کی شاعری میں بدھی فکر و فلسفے کے نظریات موجود ہیں۔ اس مادی کائنات میں ممکن الوجود یعنی انسانی وجود سے متعلق مہاتما بدھ کا نظریہ ہے کہ انسانی ہست کی اصلیت شعوری ہے جبکہ اس کے مادی وجود کا مطلب اس کی موجودگی ہے۔ اس تناظر میں انسانی وجود عارضی ہے۔ عارضی ہونے کے علاوہ فنائیت کی زد میں بھی ہے۔ غالب انسانی وجود کے حوالے سے اس نظریے کے حامی ہیں کہ اپنی اصلیت اور ماہیت کے اعتبار سے انسانی وجود ہر سو بکھرنے کی زد میں ہے اور اس کی حقیقت مرجع معدومیت یا نیست ہے:

مشت غبار ماست پراگندہ سو بہ سو
یا رب بہ دہر درچہ شمار خودیم ما (۱۷)

(ہمارا وجود ایک مشتِ غبار ہے جو ہر طرف سے منتشر ہونے کی زد میں ہے۔ اے!
ہمارے رب ہمارا وجود کس شمار میں ہے؟)

کائناتی معروض کے وجود و عدم کے حوالے سے غالب کا نظریہ بدھی تصور کے قریب تر ہے۔ ان کے نزدیک یہ ساری کائنات سوبھاؤ نہیں رکھتی۔ یہ ٹھوس شکل میں نظر تو آتی ہے، لیکن حقیقت میں بے اصل (عدم وجود) کی حامل ہے۔ کائنات کے وجود و عدم سے متعلق مہاتما بدھ کے تصور کے حوالے سے ٹھیک ناٹ ہن (Thich Nhat Hann) لکھتے ہیں:

> "Buddha cautioned his disciples not to be attached to either being or nonbeing, because they are just constricts of the mind"(18)

> ترجمہ: (مہاتما بدھ نے وجود و عدم کے سلسلے میں اپنے پیروکاروں کو خبردار کیا! کہ کسی بھی صورت میں ان کا تعلق ان سے استوار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے وہ صرف ذہنی اختراعات ہیں)

مشہور و معروف بدھی فلسفی ناگارجن (Nagarjuna) کا نظریہ ہے کہ سنسارا اگرچہ ٹھوس دکھائی دیتا ہے مگر سچائی کے اعلیٰ معیار کی رو سے یہ بے اصل ہے یعنی اپنا وجود نہیں رکھتا۔ (۱۹) غالب آپنے غور و فکر کی بنیاد پر بالدلیل یہ اقرار کرتے نظر آتے ہیں کہ جب انھوں نے معروضی وجودیات کی اصلیت کے حوالے سے کچھ لکھنے کے لیے قلم اٹھایا تو صرف ایک لفظ عنقا لکھ سکے۔ لفظ عنقا نیست یا معدومیت کی علامت ہے:

تا فصلے از حقیقت اشیا نوشتہ ایم
آفاق را مرادف عنقا نوشتہ ایم (۲۰)

(جب ہم نے وجود میں اشیائے عالم کی اصلیت کے بارے میں لکھنے کی کوشش کی تو ابتدائی باب میں اس مادی وجود والی کائنات کو عنقا کا ہم معنی قرار دیا)

خطے بہ ہستی عالم کشیدیم از مژہ بستن
زخود رفیتم وہم خویشتن بردیم دنیا را (۲۱)

(ہم نے آنکھ بند کر کے اس مادی دنیا کے وجود پر خط تنسیخ کھینچ دی۔ گویا دنیا کا وجود معدوم ہو گیا ہم بھی معدوم ہوئے اور اس مادی دنیا کو بھی عدم میں لے گئے)

مہاتما بدھ کے نزدیک جو چیز وجود رکھتی ہے وہ مادی ہے اور مادہ غیر مستقل اور فانی وجود کا نام ہے۔ ان مادی وجودی اشیا میں معدومیت کے عناصر دائمی طور پر موجود ہیں۔ وہ اپنی تعلیمات میں بار بار اپنے بھکشوؤں کو نصیحت کرتا تھا کہ ہر مادی وجود معدومیت کی زد میں ہے۔ ہر وجود عدم سے برآمد ہو کر پھر عدم کی طرف لوٹتا ہے۔ (۲۲) غالب کی نظر میں ہر مادی وجود میں نیست کے ازلی عناصر موجود ہیں اور ہر وجود نیست سے ہست کی طرف سفر طے کر کے پھر نیست یا عدم کی طرف بڑھتا ہے۔ ہست سے نیست اور نیست سے ہست کا یہ وجودی سفر قانون فطرت ہے:

سبزہ ما در عدم تشنہ برق بلاست
در رہ سیل بہار شرح دمیدن دہیم (۲۳)

(وجود وعدم میں فنا پذیری فطری ہے۔ ہماری ہستی جو عدم کی خاک سے سبزے کی طرح ابھرتی ہے اور بہار آنے پر اپنا جوبن دکھاتی ہے لیکن خزاں میں برق بلا کے گرنے سے فنا ہوتی ہے۔ یعنی بہار کی رو سے ہم ابھر کر پھلنے پھولنے کی صورتیں دکھا کر فنا ہو جاتے ہیں)

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولٰی برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان سے (۲۴)

ہستی ہماری، اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے (۲۵)

فلسفہ وجود و عدم کے بنیادی مباحث کے دو اہم پہلو ماہیت وجود اور امتناع وجود ہیں۔ جہاں تک ماہیت وجود کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ماہیت دراصل حد وجود کا نام ہے۔ محدودیت لازمہ ہے وجود کا، دوسرے الفاظ میں ماہیت وجود، وجود کا ذہنی تصور ہے۔ اس کے برعکس امتناع وجود سے مراد ہے: وجود کے لیے عدم کا لازم ہونا ہے۔ یعنی عدم کے بغیر وجود کا تصور نامکمل ہے۔ (۲۶) بدھی فلسفے کے مطابق شونیتا (عدم) منتہائے دانش ہے۔ اپنی مطلق حقیقت کے اعتبار سے عدم نفی وجود نہیں بلکہ احساس وجود کا استرداد ہے۔ (۲۷) مہاتما بدھ نے جن تین چیزوں کو موجود کے نشانات (Marks of Existence) کا نام دیا ہے وہ یہ ہیں؛

۱۔ اتمن: نفی آتما

۲۔ انچہ: نفی استقلال

۳۔ دُکھا: بڑی سچائی یعنی دکھ

ان میں سے ابتدائی دو فلسفہ عدم یا نیست سے قریبی نسبت رکھتی ہیں۔ اس کے مطابق غیر اصل یعنی نیست کے ذریعے وجود کو سمجھا جا سکتا ہے اور وجود کا نہ مکمل اقرار ممکن ہے اور نہ انکار (۲۸) غالبؔ بھی ہست و نیست یا وجود و عدم کے قضیے کو محض فریب تصور کرتے ہیں۔ مظاہرات مادی وجود و عدم کے امکان سے ماورا ہیں۔ ان پر ہست و نیست کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ وہ بدھی فکر کے اس نظریے کے مکمل حامی ہیں کہ جب وجود ہے نہ عدم تو پھر اس کے تضاد کا قضیہ بھی محض فریب ہے۔ (۲۹)

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ
آخر تو کیا ہے؟ اے نہیں ہے (۳۰)

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے (۳۱)

ز وہم نقش خیالی کشیدہ ای ورنہ
وجود خلق چو عنقا بہ دہر نایا بست (۳۲)

(تو نے اپنے خیال میں وجود کا ایک فرضی نقش قائم کر رکھا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا وجود عنقا پرندے کی طرح نیست ہے)

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے (۳۳)

ہستی عالم کی حقیقت کیا ہے؟ یہ وجودی فلسفے کا ایک بنیادی سوال ہے۔اس سوال کا سادہ الفاظ میں جواب یہ ہے کہ خارجی صورت میں موجود اشیا کا وجود اگرچہ موجود ہونے پر دلالت کرتا ہے مگر ان کی حقیقت اور اصلیت ہمیشہ سوالیہ رہا ہے۔اس بنیادی نکتے کے حوالے سے مشہور و معروف چینی بدھی مفکرین تاؤآن (۳۸۵۔۳۱۲ق م) اور فاشین (۴۷۳۔۲۸۶ق م) وجود کو اسما اور اشکال سے ماورا سمجھتے ہیں۔وہ اس نظریے کے حامی تھے کہ خارجی مظاہر کا وجود صرف انسانی ذہن کی پیداوار ہے اور بے معنی ہے۔ذہن انسان کو عدم وجود کے تصور سے مالا مال کرنا ضروری ہے۔(۳۴) اس نظریاتی قانون کی رو سے غالب ہستی عالم کی حقیقت کو سراب تصور کرتے ہیں۔وہ خارجی مادی مظاہر کے وجود کو ذہنی تعبیرات سے سمجھتے ہیں۔وہ ہستی عالم کے مادی مظاہر کے وجود پر یقین کو مبالغہ تصور کرتے ہیں:

لب تشنہ جوئے آب شمارد سراب را
می زیبد ار بہ ہستی اشیا غلو کنند (۳۵)

(ایک پیاسا سراب کو جوئے آب تصور کرتا ہے۔چناں چہ اگر کائنات کی اشیا کے وجود کے بارے میں مبالغے سے کام لیا جائے تو بالکل جائز ہوگا۔)

غالب اصالت وجود کے نظریے پر یقین رکھتے ہیں۔ان کا عقیدہ ہے کہ خارج میں وجود، موجود تو ہے اور حواس کے ذریعے اس میں کثرتیت بھی نظر آرہی ہے مگر یہ کثرتیت حقیقت میں موجود ہے؟ یا خارج میں موجود وحدت میں حقیقت ہے، کثرت نام کا کوئی وجود ہی نہیں ہے:

شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں (۳۶)

کثرت آرائی وحدت ہے پر ستاری وہم
کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے (۳۷)

ذرّہ ای را روشناس صد بیاں گفتہ ای
قطرہ ای را آشنائے ہفت دریا کردہ ای (۳۸)

(تو نے وجود کے ہر ذرے میں سو بیاباں کی وسعتیں بھر دی ہیں اور ہر قطرے کے وجود کو سات سمندروں سے آشنا کیا ہے۔ چناں چہ ذرہ اور صحرا کے وجود کی حقیقت کسے معلوم ہے؟)

بدھی مفکرین کے نزدیک وجود وعدم ایک فطری گردش کے تحت تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ عدم سے وجود اور وجود سے پھر عدم برآمد ہوتا ہے۔ اس چکر کا نام بدھی فلسفے میں Samsara ہے۔ بدھی فکر و فلسفے کی عملی مشق کا مقصد وجود وعدم کے اس چکر سے آزاد ہونا ہے۔ اکثر بدھی عقائد کے پیروکار وجود کے برعکس عدم اور فنا کو ترجیح دیتے ہیں اور *The existence of nothing is the greatest* کے نظریے کے قائل ہوتے ہیں۔ اوشو (۱۹۳۱ء۔ ۱۹۹۰ء) کہتا ہے کہ بدھی نروان کا معنی دراصل شمع کا بجھا دینا ہے۔ شمع کا بجھ جانا استعارہ ہے اتاہ تاریکی کا ۔ اتاہ تاریکی سے زیادہ نفی وجود اور کیا ہو سکتی ہے۔ (۳۹) چناں چہ بدھی مفکرین اپنی اصلیت کی دریافت کے لیے نیستی یا تمنائے عدم ضروری سمجھتے ہیں۔ غالب نظریاتی طور پر اس بدھی فکر اور نظریے کے پروردہ ہیں۔ وہ انسانی وجود کو فنا کے حوالے کر کے حقیقت وجود کے ادراک کے حامی اور معتقد ہیں:

فنا کو سونپ ، گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغ طالع خاشاک، ہے موقوف گلخن پر (۴۰)

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہوگئے (۴۱)

بدھی چینی مفکر سینگ چاؤ (Seng Chao) کے نظریے کی رو سے وقت ایک ناقابل یقین وجود ہے اور حرکت جس کا انحصار زمان پر ہے ایک وہم ہے۔ یہ تھیوری مشہور یونانی فلاسفہ زینو اور پارمینڈیز کے تصورات کے عین مطابق ہے۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ تصور حرکت کا وجود منحصر بالزمان ہے اور یہ بذات خود متنازع ہے۔ نیز کوئی بھی وجود متحرک نہیں ہے۔ لیکن تغیر کی زد میں ضرور ہے۔ وجود ساکن صفت کا حامل ہرگز نہیں ہے۔ ہر وجود مسلسل تغیر کی زد میں ہے۔ (۴۲) اس حوالے سے والپول راہول لکھتے ہیں:

"According to Buddhism, one thing disappears, conditioning the appearance of the next, is a series of cause & effect , there is no unchanging substance"(43)

(بدھ مت کے مطابق ایک وجود کا غیاب دوسرے وجود کے ظہور سے مشروط ہے یہ دراصل علت و معلول کا جاری و ساری سلسلہ ہے۔ کوئی غیر تغیر پذیر صفت کا حامل وجود، موجود نہیں ہے۔)

غالب بھی اس نظریے کے حامی ہیں۔ وہ موجود کو State of Flex میں تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں عالم وجود میں دوام کا عنصر موجود نہیں ہے۔ ہر موجود کا وجود تغیر پذیر ہے۔ قانونِ تغیر کا یہ عمل وجودی حضور و غیاب کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے:

در ہر مژہ برہم زدن ایں خلق جدید یست
نظارہ سگالد کہ ہماں است و ہماں نیست (۴۴)

(آنکھ جھپکنے کے ساتھ ہی کائناتی وجود نئی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ہماری نظریں سمجھتی ہیں کہ کائنات وہی پرانی ہے لیکن حقیقت اس سے مختلف ہوتی ہے۔)

مہاتما بدھ کے نزدیک موجودیت ہی دکھوں کی جڑ ہے۔(۴۵) غالب بھی موجودیت کے حوالے سے اس بنیادی نکتے سے آگاہ ہیں۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ موجود ہونے سے ممکن الوجود اذیتوں، حسرتوں اور معدومیت کی زد میں رہتا ہے۔ پس وجودی قالب میں منقلب ہونے سے تو عدم وجود بہ درجہا بہتر تھا۔ عدم وجود کی صورت میں ممکن الوجود Pure Being سے جڑا رہتا اور Pure Being ہر قسم ہست پر مقدم ہے:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا (۴۶)

شونیتا (Emptiness) بدھ مت کی تعلیمات میں ایک بنیادی تصور ہے۔ کسی بھی وجود کی موجودیت کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یعنی وجود اپنی موجودیت کے اعتبار سے یا تو قائم بالذات ہو گا یا پھر قائم بالغیر۔ بدھی مفکرین اس نظریے کے قائل ہیں کہ وجود قائم بالغیر ہے۔ کوئی بھی وجود قائم بالذات نہیں ہے۔ شونیتا کا مطلب خلا ہر گز نہیں بلکہ اس سے مراد Self-Nature ہے۔ یعنی وجود اپنی اصلیت کے اعتبار سے شونیہ ہے۔ اس نظریے کے

تناظر میں کائنات کی وجودیاتی حقیقت کے حوالے سے بودھی مفکر ناگارجن کا یہ نظریہ صداقت پر مبنی ہے کہ جو شے اپنی اصل نہیں رکھتی۔ وہ اپنی غیر اصل بھی نہیں رکھتی کیونکہ غیر وجود بھی اس کا ہو سکتا ہے جس کا وجود ہو۔ جس کا وجود نہیں اس کا غیر وجود یعنی عدم بھی نہیں۔(۴۷) غالبؔ وجود کے قائم بالغیر ہونے کے قائل ہیں۔ وہ وجود کو اضافی تصور کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ Self-Nature کے اعتبار سے وجود کی اصلیت اضافی ہے۔ وجود اپنی ماہیت کے اعتبار حقیقی ہے مگر اپنی موجودیت کے اعتبار سے ہر روپ میں محض فریب ہے:

پابستہ نورد خیالی، چو وارسی
ہر عالمے ز عالم دیگر فسانہ ایست (۴۸)

(تو وہم کی لپیٹ میں ہے۔ جب تو وجود کی اصلیت تک پہنچ جائے گا تب تجھے معلوم ہو جائے گا کہ ہر نئے عالم کا وجود دوسرے عالم کے وجود کا فسانہ ہے)

بازی خور فریب ہے اہل نظر کا ذوق
ہنگامہ گرم حیرت بود و نبود تھا (۴۹)

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے (۵۰)

وجود کا مطلب ہے کسی جگہ ہوناBeing around some where یا یہ کہنا کہ کوئی شے حامل وجود ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس مادی دنیا میں کہیں موجود ہے اور اس کی موجودیت کے معنی وقت اور مکان کے ساتھ موجودگی ہیں۔(۵۱) بدھ مت میں نفی وجود کے ذریعے اپنے وجود کی تلاش اور گم ہونے کا تجربہ نہایت اہم رہا ہے۔ بدھی مفکرین اس حوالے سے تاکید کرتے ہیں کہ بدھی پیروکار اپنے وجود کے سوا خارجی موجودات سے منقطع ہو جائے اور اپنے وجود کو مٹا دے تاکہ وہ نیستی اور وجود کے دائرے سے آزاد ہو کر اپنی اصلی موجودیت کے اس دائرے میں آجائے جو عدم ہے۔(۵۲) غالب وجود کے زمانی اور مکانی موجودیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ وجودی اعتبار سے قائم بالغیر صفت کا حامل ہو کر وہ نفی وجود کی منزل کو عبور کر کے اس مقام پر آپہنچے ہیں جہاں وجود و عدم کا ادراک بہ ذات خود ممکن الوجود کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ صرف زمانی و مکانی موجودیت کا احساس باقی رہتا ہے:

ہم وہاں ہیں، جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی (۵۳)

بیشتر وجودی مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ وجود کوئی نظریاتی مسئلہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت کا نام ہے اور وجود سے مراد حضرت انسان ہے۔(۵۴) بدھ مت کے پیروکار انسان کو خود اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں۔ بدھی مفکرین کے نزدیک انسان کے برعکس کوئی ایسا وجود، موجود نہیں ہے جو انسان سے بڑھ کر قابل توجہ ہو۔

> Man's Position according to Buddhism is supreme. Man is his own master & there is no higher being or power that sits in judgment over his destiny.(55)

> (بدھ مت کی رو سے انسان برتر وجود ہے۔ وہ خود اپنا مختار ہے۔ اس کے برعکس کوئی اور وجود ایسا نہیں جو اس کی وجودی حیثیت سے بڑھ کر ہو)

غالبؔ کا بھی یہی نظریہ رہا ہے کہ انسان اپنے وجودی اعتبار سے تمام دیگر موجودات کے مقابلے میں ایک ایسی ہستی ہے جو اپنے ہونے کا جواز خود اپنے اندر رکھتی ہے نیز اپنی عظمت اور انفرادیت کا جواز بھی خود پیدا کرتی ہے۔ اس لیے وہ انسانی وجود کی معدومیت پر نالاں نظر آتے ہیں:

یا رب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے؟
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں (۵۶)

ہر موجود کتنا ہی ثابت اور متجانس کیوں نہ ہو در حقیقت نیست ہے۔(۵۷) اس فطری قانون کے زیرِ اثر بدھ مت میں وجودی اذیتوں یعنی زوال، روگ، دکھ، موت، بڑھاپہ وغیرہ کی حقیقت کا تذکرہ بہ درجہ اتم موجود ہے۔ مہاتما بدھ کے روحانی سفر کا بنیادی مقصد ان وجودی اذیتوں سے نجات تھا۔ غالبؔ کو مذکورہ وجودی اذیتوں میں سے موت اور بڑھاپے کی اذیت کا پوری طرح احساس ہے۔ وہ بڑھاپے اور موت کو انسان وجود کے لیے سامان عدم خیال کرتے ہیں۔ وہ بدھی عدم استحکام کے تصور سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی وجود کا ظہور ایک طرف اذیت، دکھ اور زوال کا سبب ہے تو دوسری طرف منتشر ہونے کا:

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ
اب عناصر میں اعتدال کہاں (۵۸)

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے (۵۹)

نظر میں ہے ہماری جادہ راہ فنا غالبؔ
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا (۶۰)

بدھی فلسفہ کے مطابق انسانی وجود روپ، حواس، تصورات، طرز عمل اور شعور کا مجموعہ ہے اور یہ تمام عناصر مسلسل تغیر کی زد میں رہتے ہیں۔ ان عناصر کے تغیر و تبدل سے وجود تشکیل پاتا ہے۔ ان عناصر کے اس مجموعے میں غالبؔ کے لیے سب سے زیادہ قابل توجہ عنصر شعور ہے۔ کیوں کہ وجودی فلاسفہ انسانی وجود کو شعور کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کے جذباتی پہلو پر زور دیتے ہیں۔ اس کی اکتاہٹ، مایوسی، افسردگی اور فہم جیسی کیفیات کا تجزیہ کرتے ہیں (۶۱) غالبؔ احساس وجود کو شعور سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ وجود یا تو خود آگاہ ہوتا ہے یا بے خبر۔ اگر وہ خود آگاہ ہے اور شعور کا حامل ہے تو پھر یہ ذات خود وسعت کے ساتھ موجود رہتا ہے ۔(۶۲) اس احساس وجود کی وسعت کے زیر اثر وہ معروض کی وجودی تنگی کا شکوہ کرتے ہیں۔

غالبؔ زبود تست کہ تنگست برتو دہر
برخویشتن ببال اگر درمیاں نہ ای (۶۳)

(غالبؔ تیرے احساس وجود ہی کا نتیجہ ہے کہ دنیا تجھ پر تنگ ہے اگر
تیری ہستی درمیان میں نہ ہو تو جتنا چاہے اپنے میں پھیلتا جا)

بدھی مفکرین نیستی کو ہستی کے بطن میں موجود تصور کرتے ہیں اور یہ ایک فلسفیانہ نکتہ ہے کہ ہستی نہ ہو تو نیستی بھی نہیں ہو سکتی۔ نیستی نہ ہستی سے پہلے ہے اور نہ بعد میں اور نہ اس سے باہر بلکہ ہستی کے اندر ہے۔ (۶۴) غالب کے ہاں اس بدھی نظریے کی تاویل موجود ہے۔ وہ شعوری طور پر یہ اقرار کرتے ہیں کہ میری ہستی کو نیستی نے برباد کر دیا لیکن اس بربادی کے نتیجے میں، میں نیست کے مقام تک رسائی میں کامیاب رہا اور میرے لیے یہ باعث مسرت ہے کہ میری ہستی نے مجھے نیستی کے روپ میں بدل ڈالا۔ وہ مقام نیست کے متلاشی ہیں اور ان کی اس تلاش کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ نیستی وجودی الائشوں کی معدومیت کی کلید ہے:

از خرابی شد فنا حاصل، خوشم زیں اتفاق
بود مقصودم محیط وسیل رہبر داشتم (۶۵)

(مجھے سیلاب وجود نے فنا اور برباد کر دیا لیکن اس معدومیت اور بربادی سے فنا کا مقام حاصل ہوا۔ یہ حسن اتفاق تھا اس پر میں خوش ہوں)

کو فنا تا ہمہ آلایش پندار برد
از صور جلوہ و از آئینہ زنگار برد (۶۶)

(مقام فنا کہاں ہے؟ کہ وہ ہمیں ان تمام وجودی تصورات کی آلائشوں سے پاک کر دے ساری وجودی صورتیں مٹ جائیں اور آئینے کی جلا ہو جائے)

بدھی وجودی نظریات کی رو سے انسان کو اپنے وجود کی تلاش اور معدوم ہونے کا اندیشہ ہر وقت رہتا ہے۔(۶۷)انسان اپنے وجود و عدم کی اصلیت جاننے کے در پے رہتا ہے۔اپنی موجودیت کے احساس سے وہ عدم وجود کے احساس اور تجربے کی تلاش میں اکثر مایوسی سے دوچار ہو جاتا ہے۔غالبؔ کے نزدیک انسان اپنی وجودی ہستی کی اصلیت سے مایوس ہو کر اسے معدوم محض تصور کرنا شروع کرتا ہے۔یہی ادراک اسے وجود و عدم کی حقیقت کے قریب لے جاتا ہے:

کشتہ دعوت پیدائی خویشیم ہمہ
وای گر پردہ ازیں راز نہاں بر خیزد (۶۸)

(انسان اپنے وجود کے غلط وہم میں مبتلا ہے۔اگرچہ اس کی نیستی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ہم اپنی ہستی کے طلسم کے مارے ہوتے ہیں اگر اسی پوشیدہ راز سے پردہ اٹھ جائے تو پھر ہمیں اپنے وجود کے حوالے سے مایوسی ہو گی)

مہاتمابدھ موت کو انسانی وجود کے جنم چکر سے نجات کا واحد ذریعہ تصور کرتا ہے جبکہ غالب موت کی وجودی اذیت سے بچنے کے لیے اسے اپنے وجود کا ایک لازمی حصہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ وجودی اذیتوں یعنی درد، غم و مصائب اور آلائم کو ایک طرح غنیمت مانتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک یہ وجودی اذیتیں وجود کے دم سے قائم ہیں۔ گوتم بدھ موت کو وجودی اذیت سے نجات کا راستہ تسلیم کرتا ہے جبکہ غالب اسے وجودی اذیتوں سے مٹنے کا سبب گردانتے ہیں۔

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن (۶۹)

Pure Being کے حوالے سے مہاتمابدھ اکثر خاموش رہا ہے مگر جہاں کہیں بھی اس نے اس حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ صرف اس حد تک محدود ہے کہ Pure Being کی بابت ہمارے تصورات خلا ہیں۔ یہاں خلا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی حقیقت کا ادراک ہمارے تصورات سے بالاتر ہے۔ ذہن انسانی جتنا بھی اس گھمبیر مابعد الطبیعیاتی تصور کی حقیقت کا تخمینہ لگاتا ہے وہ ہیچ ہے۔ غالب کے نزدیک Pure Being غیریت یا دوئی سے بالاتر ہے اور اس وجہ سے وجودی شکل میں دکھائی نہیں دیتا۔ چناں چہ اس کی یکتائی کی صفت کی بنا پر انسانی ذہن اور تصورات اس کا احاطہ نہیں کر پاتے۔

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا (۷۰)

## حوالہ جات


۱۔ اکبر لغاری، فلسفے کی مختصر تاریخ (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۹۹۔

۲۔ شیو موہن لعل ماتھر، ہندی فلسفہ کے عام اصول (نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۵۔

۳۔ اکبر لغاری، فلسفے کی مختصر تاریخ، ص ۲۰۷۔

۴۔ شیو موہن لعل ماتھر، ہندی فلسفہ کے عام اصول، ص ۱۱۶۔

۵۔ ڈاکٹر اسری ارشد، جاتک (پٹنہ: پاکیزہ آفسیٹ، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۷۔

۶۔ رمیش چوپڑا (Ramesh Chopra)، Encyclopedic Dictionary of Religions (دہلی: ایشیا بکس، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۴۲۔

۷۔ ڈاکٹر محمد حفیظ سید، گوتم بدھ: سوانح حیات و تعلیمات (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۲ء)، ص ۱۳۳۔

۸۔ شیو موہن لعل ماتھر، ہندی فلسفہ کے عام اصول، ص ۱۱۸۔

۹۔ ول بنگھم، ڈگلس برنہام، فلسفہ اور فلسفی ، مترجمہ: طاہر منصور فاروقی (لاہور: تخلیقات ۲۰۱۷ء)، ص ۳۰۔

۱۰۔ محمد عاصم بٹ، دانش مشرق (لاہور: دستاویز مطبوعات، ۲۰۱۶ء)، ص ۳۵۔

۱۱۔ اردو لغت تاریخی اصول پر، جلد: ۲۲ (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۲۰۱۰ء)، ص ۹۔

۱۲۔ ڈاکٹر خضر یاسین، ملاصدرا کا تصور وجود (لاہور: کتاب محل، ۲۰۱۷ء)، ص ۴۵۔

۱۳۔ پروفیسر احسان اشرف، وجودیت کا فلسفہ (پٹنہ: نیو کوالٹی آفیسٹ، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۶۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۶۔

۱۵۔ جاوید نواز، یونانی فلسفہ (لاہور: نگارشات، ۱۹۹۸ء)، ص ۲۱۳۔

۱۶۔ ڈاکٹر خضر یاسین، ملاصدرا کا تصور وجود، ص ۲۹۔

۱۷۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، کلیات غالبؔ (فارسی)، جلد اول، مرتبہ: ڈاکٹر سید تقی عابدی (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۸ء)، ص ۲۲۵۔

۱۸۔ ٹھیک ناٹ ہن (Thick Nhat Hanh)، The History of the Buddha's Teaching (لندن: ایبری پریس، ۱۹۹۹ء)، ص ۴۱۰۔

۱۹۔ گوپی چند نارنگ، غالبؔ: معنی آفرینی، جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۹۰۔

۲۰۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، کلیات غالبؔ (فارسی)، ص ۴۸۸۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۱۷۔

۲۲۔ ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن، گوتم بدھ، مشمولہ: آج کل، بدھ نمبر، (دہلی: یونائیڈڈ پریس، نومبر ۱۹۵۶ء)، ص ۴۔

۲۳۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، کلیات غالب (فارسی)، ص ۴۹۵۔

۲۴۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، دیوان غالبؔ، مرتبہ: کالی داس گپتا رضا (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۲ء)، ص ۲۸۳۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۹۸۔

۲۶۔ سید حسین نصر، تین مسلمان فیلسوف، مترجمہ: پروفیسر محمد منور(لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۱ء)، ص ۴۶۔

۲۷۔ گوپی چند نارنگ، غالبؔ: معنی آفرینی، جدلیاتی وضع: شونیتا اور شعریات، ص ۹۰۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۸۹۔ ۹۰۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۹۲۔

۳۰۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، دیوان غالبؔ، ص ۲۹۴۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۳۶۴۔

۳۲۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، کلیات غالبؔ (فارسی)، ص ۲۸۰۔

۳۳۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، دیوان غالبؔ، ص ۲۹۴۔

۳۴۔ ایس ٹی ایلمو ناومن، جے آر (ST. Elmo Wauman, JR)، Dictionary of Asian Philosophies (لندن: ورٹلج اینڈ کیگان پاول، ۱۹۷۸ء)، ص ۳۱۔

۳۵۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، کلیات غالبؔ (فارسی)، ص ۳۵۸۔

۳۶۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، دیوان غالبؔ، ص ۳۰۰۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۲۸۶۔

۳۸۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ،کلیات غالبؔ(فارسی)،ص۵۵۳۔

۳۹۔ گوپی چند نارنگ،غالبؔ:معنی آفرینی، جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات،ص۹۸۔

۴۰۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ،دیوان غالبؔ،ص۱۶۸۔

۴۱۔ ایضاً،س۲۹۴۔

۴۲۔ ایس ٹی ایلمو ناو من، جے آر(ST. Elmo Wauman, JR)، Dictionary of Asian Philosophies،ص۳۳۔

۴۳۔ والپول راہول(Walpola Rahula)،What the Buddha Taught(نیو یارک،گروو پریس،۱۹۷۴ء)ص۲۶۔

۴۴۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ،کلیات غالبؔ(فارسی)،ص۳۰۲۔

۴۵۔ میکش اکبر آبادی،بدھمت کا سلوک،مشمولہ:آج کل(بدھ نمبر)،ص۴۲۔

۴۶۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ،دیوان غالبؔ،ص۳۳۔

۴۷۔ گوپی چند نارنگ،غالبؔ:معنی آفرینی، جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات،ص۹۱،۹۲۔

۴۸۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ،کلیات غالبؔ(فارسی)،ص۲۸۲۔

۴۹۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ،دیوان غالبؔ،ص۲۵۰۔

۵۰۔ ایضاً،ص۲۶۹۔

۵۱۔ پروفیسر احسان اشرف،وجودیت کا فلسفہ(پٹنہ:نیو کوالٹی آفسٹ،۲۰۱۰ء)،ص۴۶۔

۵۲۔ گوتم بدھ،دھمپد،مترجمہ:عثمان شاہ ابن امین(لاہور:ادارہ تحقیقات،۲۰۱۹ء)،ص۱۵۴۔

۵۳۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ،دیوان غالبؔ،ص۳۲۹۔

۵۴۔ ڈاکٹر احمد امین،وجودیت اور تصوف(اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۹ء)،ص۳۰

۵۵۔ والپول راہول (Walpola Rahula)،What Buddha Taught،ص۱۹۔

۵۶۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ،دیوان غالبؔ،ص۳۳۶۔

۵۷۔ گوتم بدھ،دھمپد،مترجمہ:عثمان شاہ ابن امین،ص۱۳۷۔

۵۸۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ،دیوان غالبؔ،ص۲۸۴

۵۹۔ ایضاً،ص۳۴۷۔

۶۰۔ ایضاً، ص ۲۹۸۔

۶۱۔ ڈاکٹر محمد امین، وجودیت اور تصوف، ص ۳۱۔

۶۲۔ ایضاً، ص ۳۱۔

۶۳۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، کلیات غالبؔ (فارسی)، ص ۵۵۴۔

۶۴۔ پروفیسر احسان اشرف، وجودیت کا فلسفہ، ص ۱۸۔

۶۵۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، کلیات غالبؔ (فارسی)، ص ۴۸۳۔

۶۶۔ ایضاً، س ۳۸۳۔

۶۷۔ پروفیسر احسان اشرف، وجودیت کا فلسفہ، ص ۵۱۔

۶۸۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، کلیات غالبؔ (فارسی)، ص ۳۴۷۔

۶۹۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، دیوان غالبؔ، ص ۲۶۵۔

۷۰۔ ایضاً، ص ۳۲۷۔

# بدھ مت ، غالب اور تصور ہست و نیست

*by* ڈاکٹر سلیمان

**Submission date:** 10-Oct-2023 11:32AM (UTC-0700)
**Submission ID:** 2469025753
**File name:** 14.docx (44.84K)
**Word count:** 6502
**Character count:** 23833

بدھ مت ، غالب اور تصور ہست و نیست

ORIGINALITY REPORT

| 12% | 10% | 1% | 7% |
|---|---|---|---|
| SIMILARITY INDEX | INTERNET SOURCES | PUBLICATIONS | STUDENT PAPERS |

PRIMARY SOURCES

| | | |
|---|---|---|
| 1 | Submitted to Higher Education Commission Pakistan<br>Student Paper | 6% |
| 2 | irigs.iiu.edu.pk:64447<br>Internet Source | 1% |
| 3 | kalanama.tripod.com<br>Internet Source | 1% |
| 4 | www.urduweb.org<br>Internet Source | <1% |
| 5 | prr.hec.gov.pk<br>Internet Source | <1% |
| 6 | aftabalampatel.blogspot.com<br>Internet Source | <1% |
| 7 | waqasaalam.wordpress.com<br>Internet Source | <1% |
| 8 | www.bbc.com<br>Internet Source | <1% |
| 9 | chunida.com<br>Internet Source | <1% |

| | | |
|---|---|---|
| 10 | lib.bazmeurdu.net<br>Internet Source | <1% |
| 11 | www.urdughazal.in<br>Internet Source | <1% |
| 12 | khayaban.uop.edu.pk<br>Internet Source | <1% |
| 13 | samt.bazmeurdu.net<br>Internet Source | <1% |
| 14 | ur.entwicklungsethnologie.org<br>Internet Source | <1% |
| 15 | hamariweb.com<br>Internet Source | <1% |
| 16 | www.qaumiawaz.com<br>Internet Source | <1% |
| 17 | ur.eastsenecafire.org<br>Internet Source | <1% |
| 18 | www.indexofurdujournals.com<br>Internet Source | <1% |
| 19 | www.urdunews.com<br>Internet Source | <1% |
| 20 | imtezaaj.uok.edu.pk<br>Internet Source | <1% |
| 21 | knooz-e-dil.blogspot.com<br>Internet Source | <1% |

| | | |
|---|---|---|
| 22 | thefreelancer.co.in<br>Internet Source | <1% |
| 23 | www.alquranalmajeed.com<br>Internet Source | <1% |
| 24 | www.humsub.com.pk<br>Internet Source | <1% |
| 25 | banuri.edu.pk<br>Internet Source | <1% |
| 26 | igrfoundation.blogspot.com<br>Internet Source | <1% |
| 27 | mnewstv.co<br>Internet Source | <1% |
| 28 | tahaffuz.com<br>Internet Source | <1% |
| 29 | urdu.app.com.pk<br>Internet Source | <1% |
| 30 | ur.wikipedia.org<br>Internet Source | <1% |

| | | | |
|---|---|---|---|
| Exclude quotes | Off | Exclude matches | Off |
| Exclude bibliography | Off | | |

(14)


# معیار

## تحقیقی و تنقیدی مجلہ

کلیہ زبان و ادبیات، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد


حوالہ نمبر: 096

تاریخ: 31 اکتوبر 2023

گرامی قدر:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مجلہ "معیار" کے لیے موصولہ مقالہ ارسال خدمت ہے۔ مہربانی فرما کر اس کے بارے میں اپنی ماہرانہ رائے کا اظہار فرمائیں۔ شکریہ

ڈاکٹر عزیز ابن الحسن

مدیر

☆ کیا آپ کے خیال میں اس مقالے سے موضوع کی علمی و ادبی تحقیق میں توسیع ہو گی؟ ✓

☆ کیا آپ مطمئن ہیں کہ اس مقالے میں قطعی طور پر سرقہ نہیں کیا گیا؟ ✓

☆ اس مقالے کی زبان اور اس کے بیان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تحقیقی زبان ہے

☆ کیا اس مقالے میں تحقیقی ضابطوں کی پاسداری کی گئی ہے؟ کی گئی ہے۔

(حواشی، حوالہ جات، کتابیات وغیرہ)

☆ کیا یہ موجودہ صورت میں ہی قابل اشاعت ہے؟ ✓

☆ کیا معمولی رد و بدل کے بعد قابل اشاعت ہے؟ ✓

رد و بدل کے قابل حصول کی نشاندہی مقالے کے اندر فرمائیں۔

☆ اگر نا قابل اشاعت ہے تو وجوہات بیان فرمائیں۔

☆ اس مقالے کی علمی و تحقیقی حیثیت اور اس کے قابل اشاعت ہونے یا نہ ہونے میں آپ کی تفصیلی رائے کیا ہے۔

مقالہ بعنوان "رجعیت، غالب اور تصور رسیت" مجھے جانچ کے لیے موصول ہوا۔ مقالہ نگار نے تمام تحقیقی تقاضوں کی پاسداری کرتے ہوئے ایک اہم تحقیقی اضافہ کیا ہے۔ اس لیے سفارش کی جاتی ہے کہ اس مقالے کو مجلہ معیار کے لیے قابل اشاعت قرار دیا جائے۔

جائزہ نگار: ڈاکٹر غلام فریدہ

دستخط: Gulam

پتہ: شعبہ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد




Scanned with CamScanner

# معیار

## تحقیقی و تنقیدی مجلہ

## کلیہ زبان و ادبیات، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد


حوالہ نمبر:

تاریخ:

گرامی قدر:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

مجلہ "معیار" کے لیے موصولہ مقالہ ارسال خدمت ہے۔ مہربانی فرما کر اس کے بارے میں اپنی ماہرانہ رائے کا اظہار فرمائیں۔ شکریہ

ڈاکٹر عزیز ابن الحسن

مدیر

| | |
|---|---|
| ☆ کیا آپ کے خیال میں اس مقالے سے علمی و ادبی تحقیق میں توسیع ہو گی؟ | ✓ |
| ☆ کیا آپ مطمئن ہیں کہ اس مقالے میں قطعی طور پر سرقہ نہیں کیا گیا؟ | ✓ |
| ☆ اس مقالے کی زبان اور اس کے بیان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ | ✓ |
| ☆ کیا اس مقالے میں تحقیقی ضابطوں کی پاسداری کی گئی ہے؟ (حواشی، حوالہ جات، کتابیات وغیرہ) | ✓ |
| ☆ کیا یہ موجودہ صورت میں ہی قابل اشاعت ہے؟ | ✓ |
| ☆ کیا معمولی ردوبدل کے بعد قابل اشاعت ہے؟ ردوبدل کے قابل کی نشاندہی مقالے کے اندر فرمائیں۔ | ✗ |
| ☆ اگر ناقابل اشاعت ہے تو وجوہات بیان فرمائیں۔ | ✗ |

☆ اس مقالے کی علمی و تحقیقی حیثیت اور اس کے قابل اشاعت ہونے یا نہ ہونے میں آپ کی تفصیلی رائے کیا ہے۔

مقالہ "بدھ مت، غالب اور تصورِ ہست و نیست" موصول ہوا۔ مقالے کا معیار بہت عمدہ ہے۔ مواد و موضوع بہت اعلیٰ ہے۔ حواشی و تعلیقات درست ہیں۔ مقالہ سرقہ نہیں ہے۔ زبان و بیان عمدہ ہے۔ مقالے کی اشاعت کی سفارش کی جاتی ہے۔

جائزہ کار: ڈاکٹر ارشد محمود آصف (ارشد معوان)

دستخط:

پتہ: شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد